اقبالؒ اور بعض دوسرے شعرا

سید عبدالواحد

حضرت داغ فرمایا کرتے تھے کہ ایک دو دیوان لکھنے کے بعد شعر گوئی کی اصل دشواریاں محسوس ہوتی ہیں۔ اسلئے کہ اس صورت میں دوسرے شعرا ہی کے نہیں بلکہ خود اپنے خیالات رہ رہ کر غیر شعوری طور پر شاعر کے دماغ میں آتے رہتے ہیں۔ اور ہر وقت یہ خدشہ رہتا ہے کہ کوئی شعر کسی دوسرے شاعر کے کلام سے اتنا ہم آہنگ نہ ہو جائے کہ پڑھنے والوں کو سرقہ معلوم ہونے لگے۔ یا خود اپنی فرسودہ زمین کی دوبارہ جادہ پیمائی نظر آئے۔ دراصل اس مشکل کا احساس تو خود شعرا کرسکتے ہیں مگر حضرت داغ نے اس بلیغ جملہ میں دنیائے شاعری کے ایک اہم نفسیاتی نکتہ کو نہایت دلچسپ طریقہ سے بیان کردیا ہے جسکی تشریح بجائے خود نہایت معنی خیز اور مفید ثابت ہوگی۔ اگر دنیا کے بہترین شعرا کے کلام کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بعض موقعوں پر ان کے بعض اشعار ایک غیر معمولی حد تک ہم آہنگ اور ہمنوا ہیں۔ اکثر تو اس ہم آہنگی کی وجہ شاعر کا وسیع مطالعہ ہی ہوتا ہے۔ شاعر اپنے مطالعہ کے دوران کسی دوسرے شاعر کے کسی خاص خیال سے اثر پذیر ہوتا ہے اور مدت مدید تک وہ خیال اسکے دماغ کی گہرائیوں میں سویا رہتا ہے۔ پھر دفعتاً ایک روز وہ خیال شعور کی سطح پر ظہور پذیر ہو جاتا ہے۔ اور خود شاعر کو یہ احساس نہیں رہتا کہ اس خیال کا اصل محرک کہاں ہے۔ روانئی طبیعت کے زور میں اسکو وہم بھی نہیں ہوتا کہ جس خیال کو وہ نظم کر رہا ہے اسکی آفرینش کسی دوسرے فنکار کے دماغ میں ہوئی تھی۔ ایسا بھی اکثر ہوتا ہے کہ ایک شاعر کا کوئی شعر دوسرے شاعر کے کسی شعر سے اتفاقیہ ہم خیال و ہم آہنگ ہو جاتا ہے۔ مثلاً بعض موقعوں پر فردوسی کے اشعار ہومر کے اشعار سے ہم آہنگ معلوم ہوتے ہیں۔ گو ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ فردوسی ہومر کے کلام سے واقف نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ شاعر کی زبان کچھ بھی ہو شاعروں کی دنیا ایک ہے۔ ہر شاعر ذکی الحس ہوتا ہے اور بعض حالات مختلف زمانوں کے اور مختلف ممالک کے شعراء پر یکساں کیفیت پیدا کرتے ہیں۔ اور جب شاعر اس کیفیت کو قلمبند کرنے بیٹھتا ہے تو

طرز ادا کی یکسانیت ایک لابدی امر ہے ۔ بسا اوقات یہ ہی حالت علامہ مرحوم کو پیش آئی ۔ انکی طبیعت اتنی ہمہ گیر تھی اور مطالعہ اتنا وسیع کہ انکے اشعار کا دوسرے نامور شعرا کے کلام سے ہم خیال یا ہم آہنگ ہونا کوئی تعجب خیز امر نہیں ۔ دنیائے ادب کی تاریخ میں اتنا کثیر المطالعہ شاعر کم ملیگا ۔ پہلے تو ایک حد فاصل مغرب اور مشرق کی ہے ۔ موجودہ دور کے بعض ترکی اور مصری شعرا کو چھوڑ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ عام طور پر مشرقی شعرا مغربی زبانوں سے ناواقف رہے ہیں ۔ دوسری طرف مغربی شعرا کی عام طور پر مشرق شعرا کے کلام تک رسائی نہ تھی ۔ اور اگر بعض کو تھی بھی تو صرف ترجمہ کے ذریعہ سے ۔ پھر جب ہم مشرقی شعرا پر نظر ڈالتے ہیں تو ایک شاعر بمشکل اتنی زبانوں سے واقف ملتا ہے جتنی زبانوں سے علامہ مرحوم واقف تھے ۔ یہ ہی مغربی شعرا کی بابت کہا جاسکتا ہے ۔ اس کلیہ سے مستثنیات ہیں مگر یہ امر تسلیم کرنا پڑیگا کہ شاعری کی تاریخ میں ایسے مستثنیات شاذ و نادر ہی ہوئے ہیں ۔ الغرض علامہ اقبال مشرق اور مغرب کی اتنی زبانوں سے واقف تھے اور اتنے مختلف ملکوں کے ادب اور شاعری سے آشنا تھے کہ ان کے کلام میں دوسرے نامور شعرا کے ہم آہنگ اشعار کا پایا جانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے ۔ خود حضرت نے اکثر دوسرے شعرا یا مفکرین کے خیالات کو بنا کر نظم کیا ہے ۔ ابتدائی زمانہ میں انگریزی شعرا کی بعض نظموں کا ترجمہ بھی کیا تھا ۔ بعض فارسی اور اردو شعرا کے کلام پر تضمینیں بھی لکھی ہیں ۔ بانگ درا کی بعض نظموں کے اوپر خود لکھا ہے 'ماخوذ' ۔ جس زمانہ میں علامہ گورنمنٹ کالج لاہور میں پروفیسر تھے تو منجملہ اور فرائض کے انگریزی ادب کا بھی درس دیا کرتے تھے ۔ انگریزی کے مشہور شعرا کا کلام پڑھاتے ہوئے علامہ کی طبیعت شعر گوئی پر مائل ہو جاتی تھی اور علامہ فرمانے لگتے کہ شاعر نے اپنے خیالات کو بہت خوبی سے نظم کیا ہے مگر میں اسی خیال کو یوں نظم کرتا ۔ ظاہر ہے کہ اس حالت میں جو نظمیں علامہ نے موزوں کی تھیں ان میں سے بیشتر تو ضائع ہوگئیں مگر کچھ نظمیں محفوظ ہیں اور بانگ درا میں شامل ہیں ۔ ان کے اوپر لکھا ہوا ہے 'ماخوذ' ۔

کبھی کبھی علامہ کسی شاعر کے کسی خاص مصرعہ سے اتنے متاثر ہو جاتے ہیں کہ اس مصرعہ کو اپنے کلام میں شامل کرلیتے ہیں ۔ مثلاً فرماتے ہیں :—

بملک جم ندهم مصرع نظیری را
کسے کہ کشتہ نہ شد ازقبیلہ' مانیست

ایک دوسرے شعر میں فرماتے ھیں :—

ندا آئی کہ آشوب قیامت ہے یہ کیا کم ہے
گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا
دوسرا مصرعہ حکیم سنائیؒ کا ھے ۔

ایک اور شعر ھے :

عجب کیا گر مہ و پروین مرے نخچیر ھوجائیں
کہ بر فتراک صاحب دولتے بستم سر خودرا

دوسرے مصرع کی بابت خود علامہ فرماتے ھیں :—

''یہ مصرع مرزا صاحب کا ھے جس میں صرف ایک لفظی تغیر کیا گیا ھے'' ۔

علامہ کا ایک شعر ھے :

بگوشم آمد از گردون دم مرگ
شگوفہ چون فرو ریزد برے ھست

دوسرے مصرعہ کے متعلق علامہ نے تحریر فرمایا ھے : ''یہ مصرعہ غالباً لطف اللہ آذر کا ھے''

بعض اوقات علامہ دوسرے شعرا کے مصرع کی طرف صرف اشارہ فرما دیتے ھیں ۔ مثلاً ایک شعر میں فرماتے ھیں :

حدی را تیز تر خوانم چو عرفی
کہ رہ خوابیدہ و محمل گران است

کہیں پورا مصرع تو نہیں کچھ فقرے دوسرے شاعر کے لیکر ایک نئے شعر میں رکھ دیتے ھیں ۔ چنانچہ ایک شعر میں فرماتے ھیں :

شعلہ در گیر زد برخس و خاشاک من
مرشد رومی کہ گفت منزل ما کبریا است

بعض قطعات میں پورا شعر دوسرے شاعر کا شامل کر دیئے ہیں مثلاً ایک قطعہ میں امیر خسرو رح کا یہ شعر شامل کرلیا ہے :

بسا کس اندوہ فردا کشیدند
که دی مردند و فردا را ندیدند

شیخ سعدی کی نظم 'قطرۂ آب' کے دو شعر لیکر ایک نئی فلسفیانہ اور معنی خیز نظم لکھدی ہے۔ جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

لہذا علامہ کے کلام کا دوسرے شعرا کے کلام سے مقابلہ اور موازنہ بہت دلچسپ ہوسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مقابلہ تین بنیادوں پر ہوسکتا ہے۔ اول تو ایسا کلام لیا جائے جس میں دونوں شعرا کے خیالات اور زبان دونوں مماثل ہوں۔ دوسرے ایسا کلام بھی ہے جس میں خیالات یکساں ہیں مگر طرز ادا اور زبان بالکل مختلف ہے۔ تیسرے ایسے اشعار ہیں جنکی زبان بظاہر یکساں ہے مگر خیالات مختلف۔ اس قسم کے اشعار اکثر ایسے ہیں جنکو انگریزی میں Parody کہتے ہیں۔ یعنی مضحکہ انگیز نقل۔ ایک اور چوتھی بنائے تقابل اردو اور فارسی شاعری کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک شاعر دوسرے شاعر کی غزل سے اتنا متاثر ہوتا ہے کہ اسی بحر میں یا اسی قافیہ اور ردیف کے ساتھ غزل کہتا ہے۔ دراصل یہ بھی ایک شاعر کا دوسرے شاعر کو خراج عقیدت ہے۔

جہانتک نظریہ حیات کا تعلق ہے علامہ اور خواجہ حافظ کے درمیان بعد القطبین ہے۔ مگر یہ بھی اظہر من الشمس ہے کہ دونوں شاعر اقلیم سخن کے تاجدار ہیں لہذا ان میں ہم رنگی کا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔

برسر تربت ما چون گذری همت خواه

علامہ اسی خیال کو یوں ادا کرتے ہیں

زیارت گہ اہل عزم و ہمت ہے لحد میری
کہ خاک راہ کو میں نے بتایا راز الوندی

خواجہ صاحب فرماتے ہیں :

بادب باش کہ ہرگز نتواند گفتن
سخن دیر۔ مگر برھمنے دانائے

علامہ فرماتے ہیں :

میر و مرزا بہ سیاست دل و دیں باختہ اند
جز برہمن پسرے محرم اسرار کجاست

خواجہ صاحب فرماتے ہیں :

گنج در آستین و کیسہ تہی
جام گیتی نما و خاک رہیم

علامہ کا شعر ہے :

پر سوز و نظر باز و نکوبین و کم آزار
آزاد و گرفتار و تہی کیسہ و خورسند

جدت خیال کے لحاظ سے علامہ کا شعر حافظ کے شعر سے بہت بڑھا ہوا ہے۔ طنز کی جھلک کے باوجود زبان کی ہم آہنگی دیکھنا ہو تو دونوں با کمال شعرا کے یہ شعر ملاحظہ فرمائیں۔ خواجہ حافظ فرماتے ہیں :

اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل ما را
بخال ھندوش بخشم سمرقند و بخارا را

علامہ کا شعر ہے :

بدست ما نہ سمرقند و نے بخارا ایست
دعا بگو ز فقیران بہ ترک شیرازی

دونوں شعر اپنی جگہ لاجواب ہیں۔ جہاں خواجہ حافظ معشوق کے ایک خال پر سمرقند و بخارا کی سلطنتیں بخشنے کو تیار ہیں وہاں اقبال اپنی ناداری کی تصویر کھینچتے ہیں مگر عطا پر یہ بھی آمادہ ہیں۔ بخشنے کو سلطنتیں نہیں تو دعا تو ہے۔ اور مفلس شاعر یہ دینے کو تیار ہے۔ فنی نقطہ نگاہ سے دونوں شعر نہایت اعلیٰ پایہ کے ہیں مگر علامہ کا شعر دراصل خواجہ صاحب کے شعر پر Parody ہے کہ میاں فقیر آدمی جیب خالی مگر چلے سلطنتیں بخشنے۔

کلام ربانی کی عظمت اور انسانی تربیت میں اسکے اثر آفرین عمل پر بہت سے مسلمان شعرا نے خامہ فرسائی کی ہے ۔ چنانچہ حافظ فرماتے ہیں :

صبح خیزی و سلامت طلبی چون حافظ
هر چه کردم همه از دولت قرآن کردم

علامہ فرماتے ہیں :

غیر قرآن غمگسار من نه بود

واعظ، صوفی، اور زاہد پر اکثر شعرا نے طنز اور تنقید کی ہے ۔ چنانچہ خواجہ حافظ کا مشہور شعر ہے :

به زیر دلق مرصع کمند ها دارند
دراز دستی این کوته آستینان بین

علامہ فرماتے ہیں :

بہت باریک ہیں واعظ کی چالیں
لرز اٹھتا ہے آواز اذاں سے

اس شعر کے متعلق جناب ماہر القادری فرماتے ہیں : ''دلق مرصع میں چھپی ہوئی کمندوں اور درود و سجود کا فریب نظر آسکتا ہے مگر آواز اذان سنکر لرز اٹھنا ایک ایسی باریک چال ہے کہ 'تلبیس ابلیس' کے مصنف اور عابدوں، زاہدوں، واعظوں اور صوفیوں کے دلوں کی چوری پکڑنے والے علامہ ابن جوزی بھی اس سے دھوکا کھا سکتے ہیں'' ۔

حافظ کے کلام میں پیام و سلام اور ساقی سے خطاب اور یار بادہ کی مدا سے جو صورتیں پیدا کی گئیں ہیں وہ اقبال کے کلام میں بھی موجود ہیں مثلاً :

به نوریان زمن ها بگل پیامے گو
بیار باده که گردون بکام ما گردید

حافظ کا مندرجہ ذیل پیرایہ بیان کاملاً اقبال کے کلام میں موجود ہے :

دل خرامی کند دلدار را آگه کنید
زینهار اے دوستان جان من و جان شما

اقبال کے یہاں اسکی صورت یہ ہے :

چون چراغ لالہ سوزم در خیابان شما
اے جوانان عجم جان من و جان شما

اور پھر اقبال نے جوانان عجم سے جو خطاب کیا ہے وہ بھی حافظ کے اس خطاب سے اثر پذیر معلوم ہوتا ہے۔

اے صبا با ساکنان شہر یزد از ما بگو
کاے سر ناحق شناسان گوئے میدان شما

حق یہ ہے کہ اقبال کی غزلیات یا غزل نما نظموں میں سب سے زیادہ حافظ کے اثرات کا نقش نظر آتا ہے۔ اقبال نے جو غزلیں حافظ کی زمین میں لکھی ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں :

نیست این میکدہ و دعوت عام است این جا (پیام مشرق)
جہان عشق نہ میری نہ سروری داند (پیام مشرق)
ساقیا بر جگرم شعلہ نمناک انداز (زبور عجم)
چون چراغ لالہ سوزم در خیابان شما (زبور عجم)
بشاخ زندگی ما نمے ز تشنہ لبی است (پیام مشرق)

بیا بمجلس اقبال یک دو ساغر کش
گرچہ سر نتراشد قلندری داند (پیام مشرق)

بعض احساسات کی تصویر کشی میں بھی حافظ اور اقبال میں بعض اوقات ایک غیر معمولی مماثلت پائی جاتی ہے۔ مثلاً مشکلات زمانہ کی تصویر کھینچتے ہوئے حافظ لکھتے ہیں :

شب تاریک و بیم موج و گرداب چنین
کجا دانند حال ما سبک ساران ساحل ہا

علامہ فرماتے ہیں :

شب تاریک و راہ پیچ پیچ و بے یقین راہی
دلیل کاروان را مشکل اندر مشکل افتاد است

خواجہ صاحب کا شعر علامہ کے شعر سے بہت بڑھا ہوا ہے۔ سبک ساحران ساحل کے موثر الفاظ نے جو بیکسی کی تصویر کھینچی ہے اس سے شعر میں ایک خاص کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔

خواجہ حافظ فرماتے ہیں :

هرگز نمیرد آنکه دلش زنده شد به عشق
ثبت است بر جریدهٔ عالم دوام ما

علامہ فرماتے ہیں :

مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام

اقبال اور حافظ کی غزلوں کے مقابلہ کے سلسلہ میں ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب فرماتے ہیں : ''مختصر یہ کہ اگرچہ مجموعی لحاظ سے اقبال کو بہ حیثیت غزل گو حافظ کے برابر کھڑا نہیں کیا جا سکتا مگر حق یہ ہے کہ جہاں فارسی کے بڑے بڑے شاعر سر جھکا کر آگے بڑھے ہیں وہاں اقبال کو یہ توفیق ملی ہے کہ وہ حافظ کی زمین پر متصرف ہوکر اور ان کے سامنے کھڑے ہوکر شرمندہ نہیں ہوئے۔ بلکہ انہوں نے اپنے انفرادی انداز اور مخصوص فلسفہ زندگی کے طفیل حافظ کے نغمہ خواب آور کو نوائے جبریل آشوب بنا دیا ہے''۔

اقبال غالب کے مداح تھے۔ اس لحاظ سے ان دونوں شعرا کے کلام میں گاہے گاہے ہم آہنگی کا ہونا ضروری ہے۔ عشق کی شعلہ افشانی کے متعلق غالب کہتے ہیں۔

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزہ پایا
درد کی دوا پائی درد لا دوا پایا

علامہ فرماتے ہیں :

این حرف نشاط آور می گویم و می رقصم
از عشق دل آساید باین همه بے تابی

جو بیکسی کی تصویر غالب نے مرقومہ ذیل شعر میں کھینچی ہے بہت ہی درد ناک ہے۔ فرماتے ہیں :

مند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالب
یار لائے مری بالیں پہ اسے پر کس وقت

علامہ فرماتے ہیں :

آخر شب دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ
صبحدم گر کوئی بالائے بام آیا تو کیا

اپنے "معیار" کی عظمت اور اسکے ناممکن الحصول ہونے کی بابت غالب کہتے ہیں :

ہر قدم دوری منزل ہے نمایاں مجھ سے
میری رفتار سے بھاگے ہے بیابان مجھ سے

علامہ فرماتے ہیں :

ہر نگارے کہ مرا پیش نظر می آید
خوش نگارے است ولے خوشتر ازاں می باید

انسانی تخیل کی پرواز ایسی بلند ہے کہ اکثر الفاظ کا دام اسکو گرفتار نہیں کر سکتا ہے ۔ مرزا غالب نے اس لطیف نکتہ کو یوں بیان کیا ہے

سخن ما ز لطافت نپذیرد تحریر
نشود گرد نمایان ز رم توسن ما

علامہ نے اسی نکتہ کو اس شعر میں بیان کیا ہے :—

ہر معنی پیچیدہ در حرف نمی گنجد
یک لحظہ بہ دل درشو شاید کہ تو دریابی

غالب کہتے ہیں :

رمز بشناس کہ ہر نکتہ ادائے دارد
محرم آنست کہ رہ جز بہ اشارت نہ رود

علامہ نے اسی نکتہ کو اس شعر میں ادا کرنے کی کوشش کی ہے :

برنہہ حرف نگفتن کمال گویائی است
حدیث خلوتیان جز بہ رمز و ایمانیست

اکثر بیقرار طبیعتوں کو جنت کی پرسکون زندگی کے خیال ہی سے وحشت ہوتی ہے ۔ غالب نے اپنے ظریف پیرایہ میں اس نکتہ کو یوں ادا کیا ہے :

جس میں لاکھوں برس کی حوریں ہوں
ایسی جنت کا کیا کرے کوئی

علامہ فرماتے ہیں :

دل عاشقاں بمیرد به بهشت جاودانے
نه نوائے دردمندے نه غمے نه غمگسارے

اسی کیفیت کی تصویر مرزا صاحب نے اپنے ایک خط میں بھی کھینچی ہے ۔ فرماتے ہیں : ''میں جب بہشت کا تصور کرتاہوں اور سوچتا ہوں کہ اگر مغفرت ہوگئی اور ایک قصر ملا اور ایک حور ملی ۔ اقامت جاودانی ہے ۔ ایسی ایک نیک بخت کے ساتھ زندگی ہے ۔ اس تصور سے جی گھبراتا ہے اور کلیجہ منہ کو آتا ہے ۔ ہے ہے وہ اجیرن ہوجائیگی طبیعت کیوں نہ گھبرائیگی ۔ وہی زمردین کاخ وہی طوبی کی ایک شاخ چشم بد دور وہی ایک حور،، ۔ ایک شاعر شعر کیوں کہتا ہے ۔ یہ اسکی فطرت کا سربستہ راز ہے ۔ وہ اپنی طبیعت سے مجبور ہے کہ شعر کہے ۔ اس خیال کو مرزا صاحب نے یوں نظم کیا ہے :

مجھے انتعاش غم نے پے عرض حال بخشی
ہوس غزل سرائی تپش فسانہ خوانی
یہی بار بار جی میں مرے آئے ہے کہ غالب
کروں خوان گفتگو پر دل و جاں کی میہمانی

علامہ فرماتے ہیں :

تو بجلوه در نقابی که نگه بر نتابی
مه من اگر ننالم تو بگو دگرچه چاره
غزلے زدم که شاید بنوا قرارم آید
تب شعله کم نگردد ز گسستن شراره

غالب کا ایک شعر ہے :

میں چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھل گیا
بلبلیں سنکر مرے نالے غزلخواں ہوگئیں

علامہ فرماتے ہیں :

اڑالی قمریوں نے، طوطیوں نے، عندلیبوں نے
چمن والوں نے ملکر لوٹ لی طرز فغاں میری

اقبال کی طرز ادا میں ایک جدت ہے جو غالب کے شعر میں نہیں ہے ۔

دنیا کی تاریخ میں بعض بلند فطرت انسانوں کے لئے زمانہ نے بار ہا قید اور زباں بندی کو ضروری سمجھا ہے۔ قید کی تنہائی اور صعوبتیں ان کی روحانی اور جسمانی نشو و نما میں مدد دیتی ہیں ۔ اقبال اور غالب نے اپنے اشعار میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے ۔ اقبال کہتے ہیں :

ہے اسیری اعتبار افزا جو ہو فطرت بلند
قطرۂ نیساں ہے زندان صدف سے ارجمند
مشک ازفر چیز کیا ہے اک لہو کی بوند ہے
مشک بن جاتی ہے ہوکر نافۂ آھو میں بند
ہر کسی کی تربیت کرتی نہیں قدرت مگر
کم ہیں وہ طائر کہ ہیں دام و قفس سے بہرہ‌مند
شہپر زاغ و زغن در بند قید و صید نیست
این سعادت قسمت شہباز و شاہیں کردہ اند

غالب کے اشعار ہیں :—

گفتم بہ عقل کل کہ تدانم برائے من
حکم دوام حبس چرا کرد روزگار
گفت اے ستارہ سوختہ زاغ و زغن نہ
کانرا گرفت و باز رہا کرد روزگار
تو بلبل ہمیں کہ بدام آمدی ترا
اندر قفس زبہر نوا کرد روزگار

اکثر شاعروں نے تقلید کی مذمت کی ہے مگر اس مذمت کے اظہار میں غالب اور اقبال نے ایک خاص جدت سے کام لیا ہے ۔ غالب کہتے ہیں :

با من میاویز اے پدر فرزند آذر را نگر
ہر کس کہ شد صاحب نظر دین بزرگاں خوش نکرد

علامہ فرماتے ہیں :

چہ خوش بودے اگر مرد نکوپے
ز بند پاستان آزاد رفتے
اگر تقلید بودے شیوۂ خوب
پیمبر ہم راہ اجداد رفتے

اقبال نے غالب کی بعض غزلوں کا جواب بھی لکھا ہے ۔ مثال کے طور پر علامہ کی مشہور غزل جسکا مطلع یہ ہے

مثل شرر ذرہ را تن بہ تپیدن دھم
تن بہ تپیدن دھم بال پریدن دھم

یہ غالب کی اس غزل کا جواب ہے جسکا مطلع ہے :

سوخت جگر تا کجا رنج چکیدن دھم
رنگ شو اے خون گرم تابہ پریدن دھم

علامہ بیدل کے معتقد تھے اور ان کے اسالیب پر بیدل کے خاص اسالیب کا بڑا اثر ہے، حقیقت یہ ہے کہ انکی پر خروش بحور اور رمزیت کے اعتبار سے ہمیں اقبال کے کلام میں بیدل ہی کی ایک جھلک نظر آتی ہے ۔ ایک بار بعض طلبا علامہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو علامہ نے انکو مشورہ دیا کہ بیدل کے کلام کا مطالعہ کیا کریں ۔ اس پر بعض طلبا نے عرض کیا کہ کلام بیدل سمجھنا بہت مشکل ہے ۔ اسکے جواب میں علامہ نے فرمایا کہ بیدل کی بعض مخصوص علامتیں اور تشبیہیں ہیں ۔ اگر متعلم ان کو سمجھ لے تو کلام بیدل کے سمجھنے کی دشواری بڑی حد تک رفع ہو جاتی ہے ۔

اظہار عقیدت کے طور پر علامہ نے بیدل کے اشعار پر تضمینیں لکھی ہیں ۔ اور اردو میں بیدل کے متعلق ایک نظم بھی لکھی ہے جو ضرب کلیم میں موجود ہے ۔ بیدل کا شعر ہے :

تبسم کہ بہ خون بہار تیغ کشید؟
کہ خندہ برلب گل نیم بسمل افتادہ است

علامہ کا شعر ہے :—

حنا ز خون دل نو بہار او بندد
عروس لالہ چہ اندازہ تشنہ' رنگ است

بیدل کا ایک شعر ہے :—

باز آمدن مسیح و مہدی این جا
از تجربہ مزاج اعیان دور است

علامہ کا شعر ہے :—

مینار دل پہ اپنے خدا کا نزول دیکھ
اور انتظار مہدی و عیسیٰ بھی چھوڑ دے

اقبال نے فیضی کی غزلوں کا جواب بھی لکھا ہے ۔ اقبال کی مشہور غزل ہے :

نعرہ زد عشق کہ خونین جگرے پیدا شد
حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد

یہ غزل فیضی کی مرقومہ ذیل غزل کا جواب ہے :

دہر را مژدہ کہ روزنے دگرے پیدا شد
کہ ز خورشید سحر خیز ترے پیدا شد
گمرہان رہ تقلید بہ حیرت بودند
شکر کاین قافلہ را راہبرے پیدا شد

عرفی اقبال کا محبوب شاعر ہے ۔ عرفی کے کلام میں پرآشوب اور ہنگامہ خیز زندگی کے جو نقشے ہیں وہ اقبال کو بہت پسند ہیں ۔ ایک جگہ فرمایا ہے :

بادہ زن با عرفیؔ ہنگامہ خیز

عرفی کا مشہور شعر ہے :

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم
چنانکہ حرف عصا گفت موسیٰ اندر طور

حضرت داغ فرماتے ہیں :

جی چاہتا ہے چھیڑ کے ہوں ان سے ہم کلام
کچھ تو لگے دیر سوال و جواب میں

علامہ فرماتے ہیں :

بحرفے می توان گفتن تمنائے جہانے را
من از ذوق حضوری طول دادم داستانے را

عرفی کی غزل مشہور ہے اور شعر کا پہلا مصرع تو زبانزد خلائق ہے۔ مر جگہ بطور ضرب المثل کے پڑھا جاتا ۔ مگر جو بات 'ذوق حضوری، نے اقبال کے شعر میں پیدا کردی ہے وہ نہ عرفی کے شعر میں ہے نہ داغ کے۔

علامہ کی مشہور غزل ہے :

هست این میکده و دعوت عام است این جا

اسی زمین میں فیضی اور عرفی نے بھی غزلیں لکھی ہیں :
فیضی کی غزل ہے :

این چه مستی ست که بے باده و جام است اینجا
باده کز جام بنوشند حرام است اینجا
چون شدی معتکف میکده فیضی هشدار
کز دم پیر مغان فیض مدام است اینجا

عرفی کی غزل ہے :

کوئے عشق است همه دانه و دام است اینجا
جلوۂ مردم آزاد حرام است اینجا
عرفی از هر دو جهان می رمد الا در دوست
همه جا وحشی از انست که رام است اینجا

علامہ کو عرفی کا جارحانہ انداز اتنا پسند تھا کہ ایک نظم اردو میں عرفی پر لکھی جو بانگ درا میں موجود ہے۔ مثنوی اسرار خودی میں چند اشعار بھی بطور اظہار عقیدت کے لکھے تھے ۔ مگر یہ اشعار بعد میں حذف کردئے۔

علامہ کی غزلوں میں نظیری کا اثر بھی نمایاں ہے۔ وہی زور کلام، وہی شیرینی۔ علامہ نے نظیری کے ایک شعر پر تضمین بھی لکھی ہے جو پیام مشرق میں موجود ہے۔ اپنی شہرۂ آفاق مثنوی اسرار خودی کی تمہید علامہ نے نظیری کے اس شعر سے شروع کی ہے۔

نیست در خشک و تر بیشہ من کوتاہی
چوب ہر نخل کہ منبر نشود دار کنم

ریاکاری کی مذمت شعرا ہمیشہ کرتے آئے ہیں مگر جس طرز سے صائب اور اقبال نے کی ہے اسکی مثال دنیا کی کسی زبان میں مشکل سے ملیگی۔ صائب کہتا ہے۔

سجدہ برکف توبہ برلب دل پر از شوق گناہ
معصیت را خندہ می آید ز استغفار ما

علامہ فرماتے ہیں:

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملیگا نماز میں

گورستان میں ایک بیکس کے مزار پر نہ چادر ہوتی ہے نہ غلاف۔ یہاں صرف خود رو سبزہ اپنی زبان حال سے اھل قبر کی بیکسی کی داستان بیان کرتا ہے۔ دختر شاہ مگر درویش طبیعت زیب النساء نے ایسی قبر کی حسرت کا اظہار اپنے شعر میں کیا ہے۔

بغیر سبزہ کسی نپوشد مزار ما
قبر پوش ما غریبان ھمیں گیاہ بس است

علامہ اپنی والدہ مرحومہ کی یاد میں لکھتے ہیں:

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مولانا جامی لکھتے ہیں:

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

علامہ فرماتے ہیں: در رہ عشق فلاں ابن فلاں چیزے نیست
ید بیضائے کلیمے بسبا ہے بخشند

بلاغت معنی کے لحاظ سے اقبال کا شعر بہت بڑھا ہوا ہے اور موجودہ زمانہ کے گورے اور کالے کی بحث کا ایک دندان شکن جواب ہے۔ مگر جو شیرینی کلام جامی کے شعر میں پائی جاتی ہے وہ اقبال کے شعر میں نہیں ہے۔ شیکسپیر کی تعریف میں علامہ نے لکھا ہے:

حسن آئینہ حق اور دل آئینۂ حسن
دل انسان کو ترا حسن کلام آئینہ

خود شیکسپیر لکھ گیا ہے :

Oh how more doth beauty beauteous seem
By that sweet ornament which truth doth give.

اسی مضمون کو ایک دوسرے انگریزی شاعر کیٹس نے یوں باندھا ہے :—

Beauty is Truth, Truth Beauty—that is all
Ye know on earth and all ye need to know.

ایک فرانسیسی شاعر نے لکھا ہے :

Rien nest beau que le vrai
Le vrai seul est aimable.

انگریزی شاعر شیلے نے یونان کی عظمت پارینہ کو یاد کرکے اور اسکے درخشاں مستقبل کے متعلق اپنی دلی آرزوؤں کا اظہار ان اشعار میں کیا ہے۔

Hellas

The world's great age begins anew,
The golden years return,
The earth doth like a snake renew
Her winter weeds outrun:
Heaven smiles and faiths and empires gleam
Like wrecks of a dissolving dream.

علامہ نے قرطبہ میں مسلمانوں کی گذشتہ عظمت کے آثار کو دیکھکر کہا تھا :

آب روان کبیر تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب

عالم نو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں
میری نگاہوں میں ہے اسکی سحر بےحجاب

پردہ اٹھادوں اگر چہرۂ افکار سے
لا نہ سکے گا فرنگ مری نواؤں کی تاب

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روح امم کی حیات کشمکش انقلاب

ایک غیر معروف انگریزی شاعر سیمول راجرس نے اپنی خواهش کو ان اشعار میں قلمبند کیا ہے :

A Wish

Mine be a cot beside the hill;
A beehive hum shall soothe my ear.
A willowy brook that turns a mill
With many a fall shall linger near
The swallow, oft, beneath my thatch,
Shall twitter from her clay-built nest
Oft shall the pilgrim lift the latch,
And share my meal, a welcome guest.

علامہ کو بھی تنہائی اور خامشی بیحد پسند تھی، اور انہوں نے بھی ایک نظم لکھی ہے جس میں اس آرزو کا اظہار کیا ہے :

ایک آرزو

مرتا ہوں خامشی پر یہ آرزو ہے میری
دامن میں کوہ کے اک چھوٹا سا جھونپڑا ہو

لذت سرود کی ہو چڑیوں کے چہچہوں میں
چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو

مانوس اس قدر ہو صورت سے میری بلبل
ننھے سے دل میں اس کے کھٹکا نہ کچھ مرا ہو

راتوں کے چلنے والے رہ جائیں تھک کے جس دم
امید ان کی میرا ٹوٹا ہوا دیا ہو

پھولوں کو آئے جسدم شبنم وضو کرانے
رونا مرا وضو ہو، نالہ مری دعا ہو

دنیا کے ہر گوشہ میں شاعروں نے مختلف زبانوں میں ماں کی بابت دلی تاثرات کو اشعار میں قلمبند کیا ہے مگر جو نرالا انداز اقبال نے والدہ مرحومہ کی یاد میں اختیار کیا ہے اسکی مثال صرف جرمن یہودی شاعر ہائینا کے یہاں ملتی ہے۔ علامہ فرماتے ہیں :

علم کی سنجیدہ گفتاری بڑھاپے کا شعور
دنیوی اعزاز کی شوکت جوانی کا غرور
زندگی کی اوج گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم
صحبت مادر میں طفل سادہ رہ جاتے ہیں ہم
بے تکلف خندہ زن ہیں، فکر سے آزاد ہیں
پھر اس کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں

ہائنا لکھتا ہے : *

I have been wont to bear my head on high,
Haughty and stern and I of mood and mien,
Yes, tho' a King should gaze on me, I ween.
I should not at his gaze, cast down my eye.
But I will speak, dear mother candidly:
When most puffed up my haughty mouth hath been,
At thy sweet presence, blissful and severe,
I feel the shudder of humility.

انگریزی زبان کے مشہور فطرت نگار شاعر ورڈز ورتھ سے اقبال کو عقیدتمندی تھی۔ حتی کہ ۱۹۰۱ء میں انہوں نے لکھا تھا کہ ورڈز ورتھ نے مجھے الحاد سے بچا لیا۔ ویسے تو مناظر فطرت کی تصویر کشی میں دونوں شاعروں کو ید طولیٰ ہے اور بار بار بادل، چاند یا تاروں کو دیکھکر جو نظمیں ان دونوں نے لکھی ہیں ان میں ایک غیر معمولی مناسبت ہے۔ مگر اقبال اور ورڈز ورتھ کے کلام میں مناسبت کی جستجو بجائے خود ایک طویل مضمون کی محتاج ہے۔ اور اس مختصر مضمون میں اسکے لئے جگہ نہیں ہے۔ مگر پھول سے جو خطاب اقبال نے کیا ہے وہ ورڈز ورتھ کے تیتلی سے خطاب سے اتنا متشابہ ہے کہ یہ اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ علامہ فرماتے ہیں :

---

* یہ جرمن اشعار کا ترجمہ ہے۔

آہ یہ دست جفا جو اے گل رنگیں نہیں
کسطرح تجھکو سمجھاؤں کہ میں گلچیں نہیں
کام مجھکو دیدۂ حکمت کے الجھیڑوں سے کیا
دیدۂ بلبل سے میں کرتا ہوں نظارہ ترا

ورڈز ورتھ کے اشعار ہیں :

Come often to us, fear no wrong
Sit near us on the bough!
We'll talk of sunshine and of song,
And summer days, when we were young.

علامہ نے دریائے نیکر کے کنارہ خموشی کا سماں ان اشعار میں کھینچا ہے :

خاموش ہے چاندنی قمر کی — شاخیں ہیں خموش ہر شجر کی
وادی کے نوا فروش خاموش — کہسار کے سبز پوش خاموش
فطرت بیہوش ہو گئی ہے — آغوش میں شب کے سو گئی ہے
کچھ ایسا سکوت کا فسوں ہے — نیکر کا خرام بھی سکوں ہے

ورڈز ورتھ اپنی ایک نظم موسومہ "کیا حسین شام ہے، میں لکھتا ہے :

It is a beauteous evening, calm and free,
The holy time is quiet as a Nun,
Breathless with adoration; the brood sun
Is sinking down in its tranquillity,
The gentleness of heaven broods o'er the sea.

گوئٹے کا ذکر تو آگے آئیگا مگر خاموشی شام پر اس نے بھی ایک نظم لکھی ہے جس کا ذکر یہاں مناسب ہوگا۔ گوئٹے لکھتا ہے :

Ueber allen gipfeln
Ist Ruh
In allen Wipfln
Spurest dur
Kann einen Hauch
Die Vogelein schweigen in Wald
Warte nur balde
Ruhest dur auch.

ان جرمن اشعار کا لانگ فیلو نے انگریزی میں ترجمہ یوں کیا ہے :—

O'er all the hilltops
Is quiet now,
In all the tree tops
Hearest thou
Hardly a breath;
The birds are asleep in the trees
Wait, soon like these
Thou too shalt rest.

ویسے تو علامہ کے کلام میں بہت سے مغربی شعرا سے هم خیالی یا هم رنگی کے لحاظ سے مطابقت پائی جاتی ہے مگر مغرب کے تین شاعر هیں جن سے علامہ کو ایک خاص تعلق ہے ۔ اطالوی شاعر ڈانٹے، انگریزی شاعر ملٹن اور جرمن شاعر گوئٹے۔ ڈانٹے کی شہرۂ آفاق طربیہ خداوندی کے جواب میں علامہ نے جاوید نامہ لکھا ہے ۔ جہاںتک موضوع کا تعلق ہے علامہ اور ڈانٹے میں کوئی مناسبت نہیں ہے ۔ مگر قدر مشترک یہ ہے کہ دونوں شاعر سیاروں کا دورہ کرتے ہیں اور مختلف سیاروں میں مشہور ہستیوں سے ملتے ہیں ۔ سیاروں کے سفر کے تصور کے لئے علامہ کہاںتک اطالوی شاعر کے مرہون ہیں ایک بہت اہم اور وسیع موضوع ہے جس پر یہاں بحث کرنا ناممکن ہے ۔ مگر اس میں شک نہیں کہ دونوں شاعروں کا شمار دنیا کے بہترین فنکاروں میں ہے لہذا فنی یکرنگی کا پایا جانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے ۔

سیاروں کے سفر میں جہاں علامہ کے راہنما مولانا رومی هیں وہاں ڈانٹے کا همسفر شاعر ورجل ہے ۔ ایک جگہ مولانا رومی دوران سفر میں علامہ سے فرماتے هیں :

گفت رومی از گمانہا پاک شو
خوگر رسم و رہ افلاک شو

اسی طرح ورجل ڈانٹے سے کہتا ہے :

And like a man of quick discernment: "Here lay down all thy distrust", said he, "reject dead from within thee every coward fear".
Inferno: III

ایک جگہ سفر کے دوران میں خطرناک مقام آتا ہے ۔ یہاں پیر رومی مشفقانہ

طور پر علامہ کا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں۔ علامہ نے اس شفقت کا ذکر اس شعر میں کیا ہے :

دست من آہستہ سوئے خود کشید
تند رفت و برسر غارے رسید

ڈانٹے نے ایسی ہی صورت حال کا یوں ذکر کیا ہے :۔

He laid his hand on mine, and with a face
So joyous that it comforted my quacking,
Into the hidden thing, he led my way.

دونوں نظموں میں ایسی مثالیں بے شمار ہیں مگر ان دونوں شاعروں کے فن میں جو خصوصیت مشترک ہے وہ فطرت نگاری ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے دونوں شاعروں کو مناظر فطرت کی تصویر کھینچنے میں ید طولی عطا کیا تھا۔ ایک منظر کو بیان کرتے ہوئے علامہ فرماتے ہیں۔

آن گل و سرو و سمن آن شاخسار
از لطافت مثل تصویر بہار
ہر زمان برگ گل و برگ شجر
دارد از ذوق نمو رنگ دگر
این قدر باد صبا افسون گر است
تا دمِ برہم زنی زرد احمر است
ہر طرف فوارہ ہا گوہر فروش
مرغک فردوس زاد اندر خروش

وادی شاہان (جسکا دوسرا نام پھولوں کی وادی بھی ہے) کا بیان کرتے ہوئے ڈانٹے رقمطراز ہے :

Gold and fine silver, crimson, pearly white,
Indigo, smooth, wood lustrous in the grain,
Fresh flake of emerald but that moment split
Could none of them in colour near attain
The flowers and the grass in that retreat,
As less with greater rivalleth in vain.
(*Purgatory*, VII—73-78)

دوسرا شاعر جس سے علامہ کو خاص مناسبت ہے انگریزی شاعر ملٹن ہے۔ عنفوان شباب میں علامہ کا ارادہ تھا کہ ایک نظم ملٹن کی مشہور نظم فردوس گم شدہ کی طرز میں لکھیں۔ بعد میں یہ بھی خیال آیا کہ واقعات کربلا کو فردوس گمشدہ کی طرز پر نظم کریں۔ ان دونوں ارادوں کی تکمیل نہ ہوسکی۔ مگر فردوس گمشدہ کے موضوعات سے علامہ کی دلچسپی ہمیشہ قائم رہی خصوصاً ابلیس کے کیرکٹر سے۔ اور اس طویل داستان کے مختلف موضوعات پر علامہ نے اردو اور فارسی میں کئی نظمیں لکھیں۔ چنانچہ پیام مشرق کی نظم تسخیر فطرت بالکل ملٹن کے رنگ میں ہے۔ جب ابلیس آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کرتا ہے تو اسکی تقریر میں ملٹن اور اقبال کے یہاں وہی شوکت، وہی تمکنت، وہی زور ہے۔ معلوم ہوتا کہ اقبال کا مرقومہ' ذیل شعر ملٹن ہی نے لکھا ہے:

نوری نادان نیم سجدہ بہ آدم برم
او بہ نہاد است خاک، من بہ نژاد آذرم

اس قسم کی زبان یا خیالات کی ہمرنگی ملٹن اور اقبال کے کلام میں اکثر پائی جاتی ہے۔ یہاں صرف دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ جب حضرت میکائیل آدم کو جنت سے رخصت کرتے ہیں تو ان الفاظ میں انکو تسلی دیتے ہیں:—

To whom thus also the Angel last replied:
'This having learnt, thou hast attained the sum
Of wisdom; hope no higher, though all the Stars
Thou knew'st by name, and all tha' ethereal Powers,
All secrets of the deep, all Nature's works,
Or works of God in Heaven, Air, Earth or Sea,
And all the riches of the World enjoy'dst
And all the rule one Empire
That ye may live, which will be many days,
Both in one Faith, unanimous though sad,
With cause for evils part, yet much more clad
With mediations on the happy end'.
(*XII*;—574—605)

اقبال رہ کے یہاں فرشتے آدم کو جنت سے رخصت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

عطا ہوئی ہے تجھے روز و شب کی بے تابی
خبر نہیں کہ تو خاکی ہے یا کہ سیمابی
سنا ہے خاک سے تیری نمود ہے لیکن
تری سرشت میں ہے کوکبی و مہتابی
تری نوا سے ہے بے پردہ زندگی کا ضمیر
کہ تیرے ساز کی فطرت نے کی ہے مضرابی

آدم حضور باریتعالی میں اپنے قصور کا اعتراف ان الفاظ میں کرتا ہے :

O goodness infinite, goodness immense
That all this good of evil shall produce,
And evil turn to good.
(*XII*: 469—471)

اقبال کے یہاں آدم حضور باریتعالی میں یوں اعتراف گناہ کرتا ہے :—

گرچہ فسونش مرا برد ز راہ صواب
از غلطم در گذر عذر گناہم پذیر
عقل بدام آورد فطرت چالاک را
اهرمن شعلہ زاد سجدہ کند خاک را

جنت سے نکالے جانے پر فرشتے آدم کو یوں تسلی دیتے ہیں :

Then will thou not be loath
To leave this Paradise, but shalt possess
A Paradise within thee happier far
(*XII*: 586—589)

اقبال نے اس صورت حال کو یوں بیان کیا ہے :—

جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں
جنت تری پنہاں ہے ترے خون جگر میں

حقیقت یہ ہے کہ مغربی شعرا میں جو عقیدت علامہ کو جرمن شاعر گوئٹے سے ہے اسکی مثال دنیا کی شاعری میں کم ملیگی۔ جہاں کہیں علامہ نے اس جرمن شاعر کا ذکر کیا ہے وہاں اسکو 'حکیم حیات' سے تعبیر کیا ہے۔

یوں تو علامہ نے ڈانٹے کی مشہور نظم کی طرز پر جاوید نامہ لکھا۔ مگر اسکا صریح ذکر کہیں نہیں کیا۔ مگر گوئٹے کے دیوان مغربی کے جواب میں پیام مشرق لکھکر اور سر ورق پر ''در جواب شاعر المانوی گوئٹے،، لکھ کر عقیدت کی نذر پیش کی ہے۔

پیام مشرق کا ذکر کرتے ہوئے علامہ نے لکھا ہے:

پیر مغرب شاعر المانوی
آن قتل شیوہ ہائے پہلوی
بست نقش شاہدان شوخ و شنگ
داد مشرق را سلامے از فرنگ
در جوابش گفتہ ام پیغام شرق
ماہ تابے ریختم بر شام شرق
او چمن زادے چمن پروردۂ
من دمیدم از زمین مردۂ

پیام مشرق میں علامہ نے گوئٹے کی بعض نظموں کا ترجمہ بھی کیا ہے مگر ایک اعلی پایہ کی نہایت دلاویز نظم میں گوئٹے اور مرشد رومی کو جنت میں ہم صحبت بنایا ہے۔ اور اپنے مرشد کی زبانی گوئٹے کو یہ خراج عقیدت ادا کیا ہے:

گفت رومی اے سخن را جان نگار
تو ملک صیداستی و یزدان شکار
ہر کسے از رمز عشق آگاہ نیست
ہر کسے شایان این درگاہ نیست

جہاں عقیدت کا یہ عالم ہو وہاں کلام کی ہم رنگی یا ہم خیالی کی چند مثالیں دینا بے سود ہے۔ اقبال اور گوئٹے کی مطابقت پر قلم اٹھانے کیلئے ایک کتاب کی ضرورت ہے۔ مگر یہاں ناظرین کی دلچسپی کی خاطر چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ جب شیطان حضور باری تعالی میں حاضر ہوتا ہے تو عرض کرتا ہے: —

اے خداوند صواب و نا صواب
من شدم از صحبت آدم خراب

گوئٹے اسی مضمون کو یوں ادا کرتا ہے :—

The little god of the world, one can't re-hape him,
He is as strange today, as that first day Yee made him.

گوئٹے کے یہاں فاسٹ کہتا ہے۔

Here stand I, ach, Philosophy
Behind me and Law and Medicine too.
And to my cost, Theology—
All these I have sweated through and through,
And now you see me a poor fool!

اسکے مقابلہ میں اقبال فرماتے ہیں :—

دوست خرم کہ بر منزل رسید آوارۂ
من پریشان جادۂ ہائے علم و دانش کردہ ہا

گوئٹے کے یہاں روح ارضی کہتی ہے :

At the whirring loom of Time I weave
The living clothes of the Deity.

علامہ خود وقت کی زبانی کہتے ہیں :—

من کسوت انسانم، پیراهن یزدانم

علامہ نے گوئٹے کی ایک نظم 'نغمہ' محمد، کا ایک آزادانہ ترجمہ کیا ہے اور حق یہ ہے کہ ترجمہ اس خوبی سے کیا ہے کہ یہ کہنا مشکل ہے کہ فن کے لحاظ سے اصل نظم بہتر ہے یا ترجمہ۔ اسی طرح ایک نظم 'حور و شاعر' گوئٹے کی نظم کے جواب میں لکھی - اور وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ دونوں نظمیں نہایت اعلے پایہ کی ہیں۔

علامہ کو جو عقیدت گوئٹے سے تھی اس کا اظہار انہوں نے اپنی غزل کے اس مقطع میں کیا ہے :

صبا بہ گلشن ویمر سلام ما برسان
کہ چشم نکتہ وران خاک آن دیار افروخت

امیر خسرو نے بدایوں کے متعلق جو حضرت نظام الدین رہ کی جائے ولادت تھا لکھا ہے ۔

ز بسکہ مرقد اہل بصیرت است آنجا
بجای سرمہ در دیدہ کشم خاک بدایوں را

جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے علامہ کو عقیدت تو بیدل اور گوئٹے سے بھی ہے مگر جو روحانی تعلق اور ذوق مناسبت علامہ کو مولانا رومی سے ہے اسکی مثال دنیا کی شاعری میں بھی مشکل سے ملیگی ۔ مولانا رومی سے جو عقیدت علامہ مرحوم کو تھی وہ ان کے کلام سے عیاں ہے ۔ ایک جگہ فرماتے ہیں :

بیا کہ من زخم پیر روم آوردم
مئے سخن کہ جوان تر بادۂ عنبی است

علامہ نے مرشد رومی سے اپنی عقیدت کو اور بھی متعدد اشعار میں ظاہر کیا ہے حتی کہ بال جبریل میں تو ایک نظم کی سرخی ہے 'مرید ہندی اور مرشد رومی' ۔ مرید ہندی اقبال ہیں اور مرشد رومی حضرت مولانا ۔ اس روحانی تعلق اور عقیدت کو جو علامہ کو مولانا سے ہے ان دونوں تاجداران سخن کے کلام میں ہم آہنگی اور یکسانیت ضروری ہے ۔ علامہ کو جہاں کہیں موقعہ ملا ہے مولانا کا تتبع کیا ہے ۔ اسرار خودی، رموز بیخودی اور جاوید نامہ مثنوی مولانا روم کی بحر میں ہے ۔ مولانا روم کے ایما ہی سے علامہ نے اسرار خودی تحریر فرمائی ۔ جاوید نامہ میں مولانا رومی علامہ کی سیر افلاک میں راہبری کرتے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ دو ایسے استادان فن کی مماثلت اور یکسانیت خود ایک گہرے مطالعہ کی مستحق ہیں ۔ اس مختصر مضمون میں ہم اس یکسانیت پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے کی کوشش کرینگے ۔

عشق کی سحر کاریوں کے بیان کو دنیا کے بڑے بڑے شاعروں نے اپنے کلام کو گرمانے کیلئے استعمال کیا ہے ۔ مگر مولانا رومی کے مندرجہ ذیل اشعار اپنی سادہ طرز ادا اور احساسات کی گہرائی کی وجہ سے بے مثال ہیں ۔ اور دنیا میں جہاں جہاں فارسی بولی جاتی ہے یا سمجھی جاتی ہے زبان زد خلائق ہیں :—

شاد باش اے عشق اے سودائے ما
اے طبیب جملہ علتہائی ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما
اے تو افلاطون و جالینوس ما

علامہ فرماتے ہیں :

بیا اے عشق اے رمز دل ما
بیا اے کشت ما اے حاصل ما
کہن گشتند این خاکی نہادان
دگر آدم بنا کن از گل ما

مولانا رومی ایک شعر میں فرماتے ہیں :

بزیر کنگرہ کبریاش مردانند
فرشتہ صید و پیمبر شکار و یزدان گیر

علامہ فرماتے ہیں :

در دشت جنون من جبریل زبوں صیدے
یزدان بکمند آور اے ہمت مردانہ

مولانا رومی فرماتے ہیں : —

پیش ارباب خرد شرح مکن مشکل عشق
نکتہ خاص مگو محفل عام است اینجا

علامہ نے اسی مضمون پر چند شعر کہے ہیں :

مئے من از تنک جاماں نگہ دار
شراب پختہ از خاماں نگہ دار
شرر از نیستان دور تر بہ
بخاصاں بخش و از عاماں نگہ دار

اسرار محبت انہی کے سامنے بیان کرنے چاہئیں جن میں کچھ ظرف ہو، یہ شراب پختہ ایک نا اہل پر برا اثر بھی کر سکتی ہے ۔ نکتہ خاص محفل عام میں بیان کرنے میں خطرہ ہی ہے ۔ اور ویسے بھی ناشناساؤں کے سامنے رموز معرفت

بیان کرنے میں کوئی فائدہ بھی نہیں ہے۔ مولانا اور علامہ کے اشعار میں خیال ایک ہی ہے مگر طرز ادا بالکل مختلف ہے۔ نٹشے نے بھی اسی خیال کا بار بار اپنی تصانیف میں اظہار کیا ہے۔

مولانا رومی کی ایک غزل ہے :

رعد مضرب، برق مشعل، ابر ساقی آب مے
باغ مست و زاغ مست و غنچہ مست و خار مست
آسمانا چند گردی، گردش عنصر بہ بین
خاک مست و آب مست و باد مست و نار مست

اسکے جواب میں علامہ نے غزل کہی ہے :--

از دیر مغان آیم بے گردش صہبا مست
در منزل لا بودم از بادۂ الا مست
وقت است کہ بکشایم مے خانہ رومی باز
پیران حرم دیدم در صحن کلیسا مست

اقبال کی مرقومہ ذیل غزل بھی بہ تبدیل قافیہ رومی کی زمین میں ہے :

تیر و سنان و خنجر و شمشیرم آرزوست
بامن میا کہ مسلک شبیرم آرزوست

رومی کی غزل کا مطلع یہ ہے :

بنمائی رخ کہ باغ و گلستانم آرزوست
بکشائے لب کہ قند فراوانم آرزوست

عشاق بے نوا نے ہر زمانہ میں ہر ملک میں انتہائی بیتابی کے باوجود اپنے اوپر صبر کرکے خاموشی سے کام لیا ہے چونکہ سوائے اسکے چارہ نہیں۔ اس نکتہ کو عارف رومی نے یوں بیان کیا ہے :

گرچہ تفسیر زبان روشنگر است
لیک عشق بیزبان روشنتر است

علامہ فرماتے ہیں :

زبان ما غریباں از نگاہیست
حدیث دردمندان اشک و آہیست
گشادم چشم و بر بستم لب خویش
سخن اندر طریق ما گناہیست

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں :

نہیں منت کش تاب شنیدن داستاں میری
خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زباں میری

مولانا رومی فرماتے ہیں :

دور گردون ہاز موج عشق داں
چوں نبودے عشق بفرسدے جہاں

علامہ فرماتے ہیں :

عشق کے مضراب سے نغمہ تار حیات
عشق سے نور حیات عشق سے نار حیات

لہذا یہ ظاہر ہے کہ مثنویوں کے علاوہ اقبال کی غزلوں اور دیگر نظموں میں بھی رومی کا اثر مسلم ہے۔ مگر رومی کی سی سرمستی علامہ کے کلام میں ہے مگر قدرے کم۔ ایک بار ایک صاحب نے علامہ سے دریافت کیا کہ ان کے نزدیک سب میں بڑا شاعر کون ہے۔ علامہ نے فوراً جواب دیا تخیل کے لحاظ سے رومی اور انداز بیان کے لحاظ سے بیدل۔

ہم نے کلام اقبال کا جو موازنہ اور مقابلہ مشرق اور مغرب کے شعرا سے کیا ہے اس سے اقبال کے فن کی عظمت، ہمہ گیری، اور آفاقیت ظاہر ہوتی ہے۔ ایک طرف تو اقبال غزل کے میدان میں حافظ، غالب، بیدل اور فیضی کی اپنی زمین پر متصرف ہوکر ان کے برابر کھڑے نظر آتے ہیں۔ تو دوسری طرف مثنوی میں سنائی، رومی اور عطار کی صفوں میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ محمود شابستری کی مثنوی 'گلشن راز' کا جواب اس انداز سے لکھتے ہیں کہ اسکی غلطیہائے مضامین عیاں کر دیتے ہیں۔ اسکے ساتھ ہی ساتھ مغرب کے دو عظیم ترین

شعرا کا جواب کچھ اس انداز سے دیتے ہیں کہ ادبی دنیا ششدر رہ جاتی ہے۔ دیبئے کی طربیہ خداوندی کے جواب میں جاوید نامہ لکھتے ہیں تو گوئٹے کے دیوان مغرب کا جواب پیام مشرق میں دیکر خود مغرب کے فضلا، علما اور ناقدین سے خراج تحسین حاصل کرتے ہیں۔ فن شاعری کا اتنا تنوع اور اتنی وسعت شاید ہی دنیا کے کسی اور شاعر میں ملیگی۔ اور پاکستان ہی نہیں کل مشرق اس عظیم المرتبت شاعر پر جتنا فخر کرے وہ بجا ہے۔